پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے تعلیمی نظام میں کس طرح اصلاح کیجائے

ناشران:-	مصنف:-	قیمت
تبریز پبلشرز۔ گوجرانوالہ	تاج علی قریشی ایم۔اے	۶/- روپے

برصغیر کی تقسیم سے لے کر آج تک، پاکستان کے تعلیمی نظام میں اصلاح لانے اور جدت پیدا کرنے کے لیے ہماری مختلف حکومتوں نے گزشتہ پچیس برسوں میں کئی اسکیمیں مرتب کیں اور ان پر عملدرآمد کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں لیکن آج تک اس ضمن میں خاطرخواہ نتائج سامنے نہیں آئے۔ انگریزوں نے فرسودہ تعلیمی نظام ہمارے ہاں ورثہ میں چھوڑا تھا ہم اس کو ہی اپنے سینے سے لگائے بیٹھے رہے اور ان ہی خطوط پر چلتے رہے جس کے نتیجہ میں ہم مغرب کے ترقی یافتہ ممالک سے ابھی تک کوسوں دُور ہیں اور ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ڈگری یافتہ طلباء و اساتذہ حضرات ترقی یافتہ ممالک کے محنتی، اور مخلص اور فرض شناس طلباء و اساتذہ کے ہم دوش نہیں آسکتے۔

فاضل مصنف نے اپنی زیرِ نظر کتاب میں برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک اور امریکا کے مختلف مشہور پروفیسران ریاضی وسائنس اور دیگر اساتذہ کی تعلیمی سرگرمیوں، محنت اور اپنے کام سے لگن کی مثالیں پیش کرکے یہ ثابت کرنے کی قابل قدر کوشش کی ہے کہ جب تک ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں صحیح تعلیمی ماحول بحال نہیں ہوتا اور اساتذۂ کرام تعلیم کو تجارتی مال کی طرح بکاؤ چیز کی طور پر استعمال کرنا ترک نہ کریں گے تب تک کوئی بھی اصلاحی اسکیم خواہ وہ کیسی ہی امید افزا نظر آتی ہو خاطرخواہ نتائج کی حامل نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہی یونیورسٹیوں کی تعداد بڑھانے سے خلاء پُر ہوگا۔ اساتذہ کی شخصیت کا طلباء پر گہرا اور دیرپا اثر ہوتا ہے اور ہماری مستقبل کی تعلیمی ترقیاتی اسکیم میں یونیورسٹی، کالج اور اسکول کے اساتذہ کے معیارِ تعلیم کو موجودہ سطح سے بلند کرنے کی گنجائش ضرور ہونی چاہیے۔

فاضل مصنف کی رائے میں ہمارے موجودہ تعلیمی نظام، نصاب اور طریقۂ کار میں انقلابی

تبدیلیاں لانی ضروری ہیں اور اساتذہ وطلبا کو اپنا نقطۂ نظر یکسر بدلنا پڑے گا۔ دوسروں کی تقلید کسی حد تک مفید اور ضروری ہوتی ہے لیکن طویل مدت تک لکیر کا فقیر بنے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مصنف نے یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں کے انتظام میں سرکاری افسران اعلیٰ کی مداخلت کو بھی تعلیم کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا ہے اس سلسلہ میں اس نے برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی کی مثال پیش کی ہے کہ یہ اعلیٰ تعلیمی ادارہ کس طرح صدیوں سے غیر سرکاری انتظام کے تحت چلتا رہا ہے اور ترقی کی منازل طے کرتا رہتا ہے۔

زیر نظر کتاب کے مصنف نے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے اور انگریزی کو خارج کرنے کی بھی مخالفت کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ ایک غیر ملکی زبان کے ذریعۂ تعلیم ہونے کی وجہ سے طلباء کی تخلیقی قوتیں اور طبعزاد قوتیں پوری طرح نشوونما نہیں پاسکتیں۔ اس نے اس ضمن میں ان اطالوی اور ہسپانوی علماء کی مثال دی ہے جنھوں نے علم وحکمت کے مطالعہ کے لیے عربی سیکھی لیکن ان کی تخلیقی اور ترقیاتی قوتیں سلب نہ ہوسکیں۔ دراصل انگریزی سائنس اور ریاضی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انتہائی ضروری اور لازمی قرار دی گئی ہے۔

فاضل مصنف کی رائے میں ہمارے امتحانوں کا طریقہ انتہائی فرسودہ اور بے معنی ہے اور وہ اسی سطح پر ہے جہاں لارڈ میکالے نے اسے کلرک پیدا کرنے کے لیے رکھا تھا۔ طلباء کو امتحان کے پرچوں میں آنے والے سوالات کے طور وطریقہ سے پہلے ہی آگاہ کردیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس سے زائد معلومات حاصل کرنے اور اپنے کو صحیح معنیٰ میں تعلیم یافتہ بنانے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اور یہی حضرات جب کالج اور یونیورسٹی ٹیچر بن کر آتے ہیں تو اس حیثیت میں بھی ان کا معیار وہی ہوتا ہے جس کے لیے ان کو تیار کیا جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب مجموعی طور پر مفید اور دلچسپ معلومات سے لبریز ہے اور تعلیمی امور سے دلچسپی رکھنے اور محکمۂ تعلیم کی انتظامیہ سے وابستہ حضرات اس سے افادہ کرسکتے ہیں۔

کتاب کی طباعت معیاری ہے اور انگریزی زبان عام فہم اور سہل ہے اور غلطیوں سے پاک ہے۔ وہائٹ پیپر پر طبع شدہ یہ کتاب قیمت کے لحاظ سے بھی مناسب اور موزون ہے اور نجی و سرکاری کتب خانوں میں شامل کرنے سے ان میں قابلِ قدر اضافہ ہوگا۔ (تلخیص وتبصرہ سومار علی سومرہ)